احسان الٰہی ظہیر

سفرِ حجاز

یکم فروری سوموار کو ہم دن چڑھے تک سوتے رہے اور جب بیدار ہوئے تو سورج اندھیروں کے لشکروں کو پسپا کر کے پوری آب و تاب سے بیچ میدان کھڑا مسکرا رہا تھا، ہم نے جلدی سے غسل کیا اور اس شہر مقدس کی سیر کے لئے نکل کھڑے ہوئے جس نے اس دُرِ یتیم کو گودیوں کھلایا تھا جو بعد میں دانائے سبل ختم رسل اور مولائے کل کہلایا اور جس نے اسے شہرت ناموری اور تقدس کی اس انتہا پہ پہنچا دیا کہ صاحب عرش عظیم اس کی پاکیزگی اس کے تقدس اور اس کی بڑائی کی قسمیں کھانے لگا اور اپنی آخری دستاویز میں اسے منبع ہدایات منزل برکات اور مہبط انوار و تجلیات قرار دے کر قیامت تک کے لئے اس کے شرف اور اس کی بزرگی پر مہر ثبت کر دی۔

یہی وجہ ہے کہ مکہ عام شہروں ایسا ہوتے ہوئے بھی عام شہروں ایسا دکھائی نہیں دیتا اس کی گلیاں، اس کے کوچے، اس کے بازار، اس کے چوک، اس کے در اور اس کی دیواریں اسی طرح کی ہیں جس طرح مشرق کے دیگر شہروں، تونگر اور مال دار شہروں کی ہوتی ہیں لیکن ان کے اندر سے ہویدا رعنائیاں اور زیبائیاں مشرق و مغرب کے کسی اور شہر میں کہاں؟ اور پھر ان کی تابانیاں اور فراوانیاں کہ سمائے نہ بنے اور سمیٹے نہ سمٹیں اس کی سنگلی زمین اور پتھریلی دھرتی میں حسن بھرا لیتا اور خوبصورتی موجیں مارتی ہے اور اس کے ریگزاروں میں وہ دلکشی ہے کہ لبنان و ایران کے سبزہ زاروں اور کشمیر و سوئٹزرلینڈ کے مرغزاروں میں نہ ہو اور اس کی ترائیوں اور چڑھائیوں میں وہ سحر انگیزیاں ہیں کہ روم و سپین کی دلآویزیاں ان پہ قربان۔

اس بستی پہ بھی وہی فلکِ نیلی فام سایہ فگن ہے جو شمال سے جنوب اور شرق سے غرب تک کی تمام آبادیوں پہ سایہ کئے ہوئے ہے، لیکن جو رنگ و رُوپ اس نے یہاں دھارا ہے وُہ شاید نہیں، بلکہ یقیناً کائنات میں کسی اور جگہ اختیار نہیں کیا۔

بلدِ امین کی فضا جادُو بھری فضا جس کی تلخیاں بھی سرور انگیز اور ترشیاں بھی رُوح افزا اور جب کبھی ان میں بادل گھِر گھِر آئیں تو جی جان نثار کرنے کو دِل چاہے اور قطعہ ہائے ابرمیں رحمت دیکھتی آنکھوں تیرتی نظر آئے ــــــ

ایک سیلِ نور ہے جو اس بستی مبارک میں اُمڈا ہُوا نظر آتا ہے اور ایک طوفان نکہت وبو ہے جو اس شہرِ خوبرو کا احاطہ کئے ہُوئے ہے۔

ایک شہر محبتا جو بے گل وبلبل، گلکدہ و بلبلستان اور بے آب و گیاہ، جنت کدہ و چمنستان بنا ہُوا ہے۔

کہکشاں کی رنگینیاں پڑھنے میں ضرور آئی تھیں، دیکھنے کا اتفاق نہیں ہُوا اور آسمان پہ نہیں زمین پہ ــــ

آبشاروں کے ترنم کی داستانیں بھی سُنی تھیں لیکن چاہ زمزم کے جھرنوں سے گرتے ہُوئے پانی نے اسے متشکل اور مجسّم کر دیا۔

کشتہائے زعفران نے دُنیا کو والہ و شیدا بنا رکھا ہے، لیکن پڑوسِ کعبہ بچھی ہُوئی ریت کے جگمگاتے ہُوئے ذرّے زعفران کے کھیتوں کو بھی شرماتے ہیں۔

ہمالہ اور نیل کی وادیاں دلوں کو بہلانے اور لبھانے میں مشہور ہیں لیکن وادیٔ بطحا قلب و نظر اسیر اور ہوش و خرد نخچیر کرتی ہے۔ سرزمین بلدِ حرام حقیقیۃً سرزمین ہے کہ اس کے کانٹوں ببول کے درختوں اور خودرو جھاڑیوں کو بھی وُہ احترام اور حرمت حاصل ہے کہ کسی اور خطۂ ارض کے پھولوں، سرو صنوبر کے درختوں اور پھل دار پودوں کو بھی میسّر و مقدر نہیں، کہ اس کے باپ خلیل اللہ نے اسے محترم بنایا اور اس کے بیٹے رسُول اللہؐ نے اسے محتشم کر دیا اور فرمایا کہ میرے بابا کا شہر ہی صاحب حرمت نہیں اس کے کانٹے بھی اسی طرح حرمت و شرف کے مالک ہیں کہ انھیں اکھاڑا جا سکتا ہے اور نہ روندا ــــ کیونکہ خالق کون ومکان کو پُوری کائنات میں اس سے

محبوب تر ادرا کوئی مقام نہیں

رنگ و بو اور نکہت و نور کے اس مولد و منشا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو دامن دل کو نہ کھینچتا ہو اور جس سے "جا اینجا است" کی صدا نہ آتی ہو۔

اس کے چپہ چپہ پہ قرنہا قرن کی تاریخ کے نقوش ثبت ہیں، تب کے بھی جب کہ ممتا سے لبریز ایک ماں سلگتی ہوئی دھرتی پہ اپنے معصوم نورستہ پھول اور نو شگفتہ غنچہ کو اپنے سینے سے لپٹائے اسے باد سموم کے زہریلے تیروں سے بچانے کے لیے سرگرداں تھی، تن تنہا، اکیلی، بے یارومددگار، اور پھر پھول کی پتیاں زرد ہونے لگیں، غنچہ بن کھلے مرجھانے لگا، ممتا بے چین ہو گئی، آخر بہار کا عطیہ اتنی جلدی خزاں کی زد میں، براہیم کی نشانی، خلیل اللہ کا فرزند، ہاجرہ دوڑیں، نگاہیں آسمان کی طرف جھولی وا، لبوں پہ آہ، لیکن دور دور تک نہ پانی ہے نہ سایہ، واپس ہوئیں بچہ مچلا، ماں تڑپ اٹھی، بچے نے سسکاری بھری، ماں کی کراہیں نکل گئیں:

بار الٰہا! میں تیرے حکم پہ راضی لیکن اپنے معصوم کو بلکتا ہوا، اور تڑپتا ہوا دیکھنا کس ماں کے بس میں ہے۔

بچے نے ایڑیاں رگڑیں اور ماں پھر دوڑ پڑی ——

میرے بچے ہاجرہ کے بچے پہ نثار اور میری ماں اسماعیل کی ماں پہ قربان کہ ان کے تڑپنے اور دوڑنے نے ریگزار مکہ کو گلزار عالم میں تبدیل کر دیا۔

اور پھر اس بستی مبارک نے وہ دن بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا جب اس کے گلستاں کا سب سے خوبصورت پھول رونق کائنات اور فخر موجودات بن کر اس میں کھلا، اور خلیل اللہ کے فرزند ذبیح اللہ کی جلاوطنی کی سرزمین اس کے پوتے رسول اللہ کا مولد و مسکن ٹھہری کہ بچپنے سے لے کر جوانی تک نبوت پہ فائز ہونے سے لیکر جلاوطنی تک یہاں کے سنگریزے اُن کے قدمہائے مبارکہ کی لمس سے جواہر ریزے اور خزف پارے گہر پارے بنتے رہے۔

سب سے پہلے ہم نے بیت عتیق کی مشرقی سمت سے ابتداء کی گاڑی چھوڑ دی اور

[illegible] شارع پر چڑھنے لگے

سوق قماش کی ابتدا صفاء مروہ کہ اب داخل حرم ہے اور کعبہ سے مشرقی و شمالی جانب واقع ہے کی انتہا سے ہوتی ہے، اور یہ صفا سے اور شمال مشرق میں بل کھاتا اور آڑے ترچھے زاویے بناتا اور منیٰ کی جانب جانے والی شاہراہ میں جا گرتا ہے۔

مکہ مکرمہ کے جتنے بازار ہیں ان میں یہ حیرت انگیز چیز دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ دور دور بالکل اونچے اونچے سیدھے تنے تنے اور ہموار چلے جاتے ہیں، لیکن جونہی باب کعبہ پہ ان کی نظر پڑتی ہے ان کے تناؤ میں جھکاؤ اور قیام میں رکوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور کعبہ تک پہنچتے پہنچتے ان کی ڈھلائیں ڈھلوانوں کا روپ بھرے چوکھٹ کعبہ پہ اپنی جبین رکھ اور گھٹنے ٹیک دیتی ہیں اور نظر آتا ہے کہ جمادات بھی عظمت رب کو سلام کرتے اور بارگاہ ناز میں ہدیۂ نیاز پیش کرتے ہیں کہ منزل عشق میں بلندیاں نہیں بلکہ پستیاں اور فراز نہیں بلکہ نشیب کارگر ہوتے اور کامران ٹھہرتے ہیں۔

میں نے بیت رب سے نکلتے اور اس کے گرد و پیش میں پھیلے ہوئے بازاروں کی اونچائیوں میں اونچا ہوتے ہوئے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ حاضری اور حضوری کے گرانمایہ لمحات نے مجھے بالا کر دیا ہے اور ان ہی بازاروں کی ترائیوں سے کعبہ کی طرف اترتے ہوئے ہمیشہ شعور نے خبردار کیا کہ بڑے دربار میں جا رہے ہو، نیچے اور پست ہو کے چلو کہ نیچے جاؤ اور اونچے آ جاؤ تو سر اٹھا کے چلو اور آؤ تو سر جھکا کے چلو۔

سوق قماش کپڑے کا سب سے بڑا مرکز ہے قسم قسم اور دیس دیس کا کپڑا، چین کا جاپان کا، امریکہ کا انگلستان کا، جرمنی، فرانس اور حتیٰ کہ پاکستان کا، غرض دنیا کے ہر ملک کا کپڑا اور ہر نوع کا کپڑا یہاں دستیاب ہے، چھوٹی سے لے کر بڑی دوکان اور اونچی سے لے کر نیچی اور سستی سے لے کر مہنگی تک ہر قسم کی دوکان اس بازار میں موجود ہے، اتنی سستی کہ سعودی عرب ایسے ملک میں اس کے سستا پن پہ حیرت ہو، اور اتنی مہنگی کہ ایک پاکستانی اپنے کانوں پہ یقین ہی نہ کرے۔

ایام حج میں اس دو فرلانگ کے بازار کو پار کرنا ایام جنگ میں درۂ دانیال یا نہر سویز میں سے گذرنے سے کم نہیں، یہاں کندھے سے کندھا نہیں بلکہ جسم سے جسم چھلتے ہیں، ایک ہجوم ہے

جو دُکانوں پہ پلا پڑا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے یہاں کپڑا بکتا نہیں بلکہ بٹتا ہے، خصوصاً دن ڈھلے تو یہاں ڈگ بھرنا اتنا ہی دُشوار ہے جتنا انار کلی میں سرِ شام گاڑی دوڑانا۔

لیکن اس پورے ہجوم میں جس میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی، بچے بھی تھے اور بڑے بھی ——— کوئی منچلا ہے نہ کوئی دل پھینک، نہ کہیں اٹھکیلیاں ہیں نہ چہلیں، نہ نظربازی، نہ فقرہ سازی، عورتیں گذرتی ہیں تو نوجوان ان کی طرف لپکتے نہیں بلکہ اس طرح ہٹتے اور بچتے ہیں جیسے کوئی تیر سے بچے اور تفنگ سے ڈرے۔

عورتیں اور مرد یوں الگ الگ ہیں جیسے ان کے درمیان آہنی دیواریں کھڑی کر دی گئی ہوں، دیواریں غیر مرئی اور مضبوط دیواریں، وہ دیواریں جنہیں حکومتیں اور قانون کھڑے نہیں کر سکتے، جنہیں سرورِ کائنات کی مقرر کردہ تعزیروں نے کھڑا کیا ہے۔ کس کی مجال کہ کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھ سکے، آوازہ تو بڑی بات۔

اور مجھے یاد ہے کہ میں چار برس طیبہ میں رہا، پورے چار برس، اس کی گلیوں میں گھوما، اس کے بازار دیکھے، اس کے کوچوں میں پھرا، چھٹکتی ہوئی چاندنی میں بھی، اور گھپ اندھیری راتوں میں بھی، میں نے اس کے بازاروں کی رونق دیکھی، بھیڑ دیکھی، رجب کی شاموں کا حُسن دیکھا اور رمضان کی راتوں کی دلکشی دیکھی، اور پھر حج کے دنوں کا ہجوم بھی چار سال تک دیکھا کیے، اور ان میں مردوں کے گروہ بھی دیکھے اور عورتوں کی ڈاریں بھی نظر سے گذریں، لیکن ان پورے چار برسوں میں کبھی بھی نہ کبھی غنچہ کے چٹخنے اور نہ کسی کلی کے مسلنے کی آواز سُنی، کسی کی عصمت کی آہ و فغاں تو بڑی بات کسی کے دامن کا گلہ تک سننے میں نہیں آیا کہ قانونِ محمدؐ ان کی عصمتوں کا نگران اور ان کی عزتوں کا نگہبان ہے۔

سعودی عرب میں یہ چیز آج بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر کوئی جوان و خوبرو دوشیزہ زیورات سے لدی پھندی تن تنہا ملک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک دن کی روشنی میں ہی نہیں بلکہ رات کی تاریکی میں بھی سفر کر جائے تو کسی کو اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہیں ہو گی،

اور نہ ہی ہوتی ہے ، اور یہ تحفظ اور یہ صیانت نہ کسی حکومت کی رہینِ منت ہے ، نہ کسی قوّت کی ، بلکہ یہ کرشمہ سازیاں ہیں اس دستور ربّانی کی اور اس آئین یزدانی کی جسے ربّ العالمین نے رحمۃ للعالمین پر اپنے بندوں کی صلاح و فلاح کے لئے نازل کیا اور جس سے روگردانی کی بنا پر دُنیائے اسلام آج کوچۂ ضلالت و ذلت میں حیران و سرگرداں ہے۔

سوقِ قماش میں تھوڑا سا آگے چل کر اس کی جنوبی سمت پہلے ایک گلی آتی ہے ، پھر دُوسری ، پھر تیسری اور آخر میں چوتھی ، کسی زمانہ میں یہ محلہ رہا ہوگا لیکن اب یہ بھی کپڑے کی بہت بڑی مارکیٹ بن چکی ہے ، اس کے ڈانڈے بھی ہی منیٰ جانے والی شاہراہ سے جا ملتے ہیں ، جہاں زیورات ، جیولری اور گھڑیوں اور سامان آرائش و آسائش کی بہت بڑی بڑی دکانیں ہیں ، ہمارے مال روڈ اور کراچی کے صدر بازار سے بھی بڑی دکانیں ، لاکھوں کا سامان اندر دھرے چہرے پہ سکون اور شان استغنا لئے ، یہاں کوئی دکان دار گاہک کی طرف نہیں لپکتا بلکہ خریدار دُوکانوں کی طرف جھپٹتے ہیں ،

پُورے عرب میں یہ چیز دیکھی کہ ہمارے ہاں کے برعکس وہاں گاہک سے کوئی چھینا جھپٹی نہیں ہوتی ، مشتری آتا ہے تو مالک کے چہرے پہ رونق نہیں آتی ، جاتا ہے تو تاریکی نہیں چھاتی ، تملق وہ نہیں جانتے ناز وہ نہیں مانتے ، ایک چھابڑی فروش بھی گاہک سے اس انداز میں بات کرتا ہے گویا بیچنے والا نہیں خریدنے والا ہے ، ذرا منہ سے نامناسب بات نکلی فوراً "تقدم قدام" (آگے جاؤ) لبوں سے اُبل پڑا ، قصاب کی دوکان پر جایئے اس نے پُورا بکرا کھال اُتار صاف کر کے الٹا لٹکا رکھا ہے ، نیچے سے کاٹتا ہُوا اُوپر تک آئے گا ، آپ کہیں گردن نہیں سینہ چاہیئے ، یا بازو نہیں ، ران کا خواہاں ہوں تو ایک ہی جواب ملے گا یا اللہ امش الی غیری (چلو بھئی کوئی اور دکان دیکھو) یہاں تو وہیں سے ملے گا جہاں تک پہلے بِک چکا ہے وگرنہ تب تک انتظار کرو جب تک خرید وہاں تلک نہیں جا پہنچتی - آپ لاکھ اصرار کریں وہاں ایک انکار۔

اور یہ بات صرف موسمِ گل ہی کی نہیں خزاں میں بھی وہاں کا یہی چلن ہے - اس میں شک نہیں کہ ان میں غنی ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ استغنا بھی ان کی طبیعت کا جزو ہے ، وہ اگر کماتے خوب ہیں تو لٹاتے بھی خوب ہیں ،

ہم دھیرے دھیرے چلتے ہوئے سوقِ قشاشی کو طے کر ہی آئے بڑی سڑک پہ آکر ہم پھر جنوب کی طرف بڑھ گئے، کچھ آگے چل کر جنوب مغرب کی طرف جاکر یہ سڑک دو حصوں میں بٹ جاتی ہے ایک زیریں اور ایک بالائی دونوں کا رُخ حرم کی طرف ہے، زیریں باب صفا کے پاس جاکر ختم ہو جاتی ہے اور بالائی باب السعود کے سامنے چوراہے سے ہوتے ہوئے آگے نکل جاتی ہے، اسی سڑک کے کنارے حرم سے تقریباً سوا سو گز کے فاصلہ پہ بروایت وہ مکان واقع ہے جہاں آمنہ کے گھر اس درِ یتیم و گوہرِ یکتا نے جنم لیا تھا جس کی تابانیوں اور ضو فشانیوں نے ایک عالم منور کر دیا، اور اسی گھر میں سے وہ ابرِ رحمت امڈا تھا کہ مدتوں کے کمہلاتے اور مرجھاتے ہوئے پھول مہکنے لگے، لالے دھکنے لگے، پودے لہکنے لگے، کلیاں مسکرا اٹھیں، شاخیں لہلہا اٹھیں۔

آج کل اس مقام پہ ایک لائبریری بنی ہوئی ہے جہاں صبح و شام لوگ آتے اور کتب و رسائل کا مطالعہ کر کے چلے جاتے ہیں، اسی مکان کے پہلو سے ایک گلی نکلتی ہے جو سیدھی شعب ابی طالب کو جاتی ہے، یہ وہی مقام ہے جہاں سرورِ کائنات علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ تین سال تک محاصرے کے عالم میں قیام فرمایا تھا،

یہاں سے ہو کر ہم چکّر لگاتے ہوئے پھر باب السعود کے سامنے آ گئے، باب السعود بیت الحرام سے جنوب کی سمت واقع ہے پشت پہ محلہ جیاد تھا، پاکستانی حاجیوں کا سب سے بڑا نشیمن، دائیں ہاتھ جبل ابی قبیس بائیں محلہ شامیہ اور شارع مکہ، جیاد ہمارا دیکھا بھالا تھا کہ ہم بھی وہیں فروکش تھے، جبل ابی قبیس پہ چڑھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی اس لئے شامیہ کی طرف ہی چل دئے، عمارت حرم کے ساتھ ہی ساتھ بل کھاتی اور ہالہ بناتی ہوئی سڑک سے ہو کر اب ہم حرم کی غربی جانب پہنچ چکے تھے، شامیہ کی ابتدا ایک خوبصورت نو تعمیر شدہ ہوٹل، فندق حرام سے ہوتی ہے جو دس منزلہ عمارت پر مشتمل ہے آگے چل کر کپڑے کی دکانیں ہیں لیکن ان دکانوں میں صرف گرم کپڑا فروخت ہوتا ہے پھر اس کے بعد ایک اور کپڑے کی مارکیٹ ہے کچھ دوسری دکانیں ہیں، پھلوں کی اشیاء خوردنی، بجلی کے ساز و سامان اسباب تعیش اور اسی انواع کی دوسری دکانیں۔۔۔۔

ادھر سے گھومتے ہوئے ہم مروہ کی پشت اور کعبۃ اللہ کی شمالی جانب

آن پہنچے ، یہاں حال ہی میں ایک بہت بڑی خوبصورت اور جدید طرز کی مارکیٹ بنائی گئی ہے یہ مارکیٹ پہاڑی سلسلے پر واقع ہے اور اگر مبالغہ نہ ہو تو شاید دُنیا کی کسی نوع کا کپڑا ہوگا جو یہاں سے نہ مل سکے ، بنارسی ساڑھیوں سے لے کر چائنا کی شنگھائی تک ، اور ڈھاکے کی ململ سے لے کر انگلستان کی گبرڈین تک ، آپ اگر نوٹوں کی بوریاں بھر کر اور تجوریاں توڑ کر بھی یہاں آئیں تو کپڑے کی اقسام ختم نہ ہو سکیں ، امیر پاکستانی حجاج کا سب سے بڑا ہجوم یہیں ہوتا ہے ابھی ہم اس مارکیٹ میں گھوم پھر رہے تھے کہ حرم کے منارے بولنے لگے اللہ اکبر ، اللہ اکبر اور ابھی مؤذن نے حی علی الصلوۃ ، حی علی الفلاح کے بول ختم نہیں کئے تھے کہ مارکیٹ خالی ہونے لگی اور آخر کلمات تک پہنچتے پہنچتے دروازے بند کئے بنا دکانیں بند ہونے لگیں ،

میرے ساتھی ششدر یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ دکانیں مال و منال سے بھری پڑی ہیں ، بیس پچیس لاکھ کا کپڑا اندر پڑا ہوا ہے اور مالک صرف جالی کا ایک معمولی باریک کپڑا دروازے پہ تان کھلی دکان چھوڑے اور بغیر کسی کو حفاظت کے لئے مقرر کئے مسجد سے بھاگ رہا ہے ۔ ملازم بھی ساتھ ہیں کوئی رکھوالا نہیں ، کوئی چوکیدار نہیں ، گلے میں دن بھر کی بکری بھی پڑی ہوئی ہے ، تب میں نے ان کو کہا کہ یہ تو کپڑا ٹھہرا ہم نے سونے اور جواہرات کی دکانوں کو بھی اس طرح بھرا ہوا اور پڑا ہوا پایا ہے ۔ اور پھر محافظت علی الصلوۃ کا یہ منظر بھی صرف سعودی عرب ہی کا خاصہ ہے ، نہ جانے پاکستان میں بھی یہ نظر نواز اور دلربا منظر کبھی دیکھنے میں آئے گا ؟

جلدی جلدی قدم اُٹھا کے حرم میں پہنچے وضو کیا اور وضو گاہ کے قریب ہی کنارِ حرم نماز ادا کی کہ آج موجیں ساحل سے بھی باہر اچھل چکی تھیں ، اور پھر مشتاقانِ کعبہ کے دمکتے ہوئے چہرے اور چمکتی ہوئی جبینیں دیکھتے باہر آ گئے ، ایک لمبا چکر لگایا اور باب اسعود کے قریب کھڑی اپنی گاڑی پہ سوار ہوئے رابطہ عالم اسلامی کے دفتر کی طرف چل دیئے :

(باقی)